تیر و نشتر

ساحر سنامی بی اے

تعداد اشاعت ۵۰۰ قیمت ایک روپیہ

کاتب ۔ ہربنس لال بھنڈاری (نیا شہری)

پبلشر ۔ مرکزِ تصنیف و تالیف پھلکیاں پریس پٹیالہ

پرنٹر ۔ ویر ملاپ پریس ۔ ملاپ روڈ ۔ جالندھر

میں
باہتمام چندر پرکاش سوڈی پرنٹر
چھپکر پٹیالہ شہر سے شائع ہوئی۔

مِلنے کا پتہ

مرکزِ تصنیف و تالیف پھلکیاں پریس ۔ پٹیالہ

تعارف

شری ساحرؔ شامی سے میری پہلی مُلاقات ایک اِنڈو پاک مشاعرے میں ہوئی۔ اس کے بعد ابھینندن گرنتھ کی تالیف کے سلسلے میں مجھے ان سے دُوسری بار مِلنے کا اِتفاق ہوا۔ اب تو ملاقاتوں کے سلسلے نے مستقل صُورت اختیار کرلی ہے۔ سات آٹھ سال کی اس طویل مُدّت میں مَیں نے انہیں بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ آج ان کی ذات اور عادات سے متعلق کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اور سچ پوچھیے تو ان کے پاس چھُپانے کو کچھ ہے بھی نہیں۔ مَیں نے ان میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ اِس بہت کچھ

میں مزید اضافہ کی گنجائش اب قریب قریب محال ہے۔ ہم بے تکلّفی کی ان حدوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں جن کا تصوّر بھی دوستی اور بے تکلّفی کے عام مرکّبات کے لئے محال ہے۔ اِس مضمون میں طوالت کی گنجائش نہیں۔ بقولِ حضرت نوح ناروی ع

وقفہ بھی کم ہے اُور فسانہ بھی طُول ہے

خدا نے توفیق اور موقع دیا تو پھر کبھی ان سے متعلق اپنے تاثّرات کھُل کر بیان کر سکوں گا۔ اب "کچھ اب اُور کچھ پھر کبھی" پر اِکتفا کرنا پڑے گا۔

حال ہی میں ساحر صاحب نے اپنے تین ضخیم مجموعے مجھے دیتے ہوئے یہ کہا کہ وہ اِن مجموعوں کو جلد سے جلد مطبع میں بھیجنا چاہتے ہیں اور ان پر ناقدانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اپنی عدیم الفُرصتی اور کئی طرح کی پریشانیوں کے باوجُود حد سے زیادہ بڑھے ہوئے خلُوص و محبّت کے پیشِ نظر میں اِنکار نہ کر سکا۔ چنانچہ میں نے ان مجموعوں کو دیکھنے کی طرح دیکھا اور سو۔ سوا سو کے قریب

شعروں پر نشان لگائے جو نظر ثانی کے محتاج تھے۔ ان سے متعلق تبادلہ خیالات کے دوران میں میرے کچھ مشورے اِس وجہ سے پسند نہیں آسکے کہ انہیں کچھ الفاظ کے اِستعمال میں تکلّف نظر آتا تھا۔ چنانچہ میرے اِعتراضات کی روشنی میں نِصف سے زیادہ اشعار میں ضروری ترمیم بحث ہی کے دوران میں انہوں نے خود کرلی۔ میرے لئے ان کی ذہنی قوتوں اور شاعرانہ صلاحیتوں کو پرکھنے کا یہ بہترین موقعہ تھا کیوں کہ ان کی اپنی مجوزہ ترمیم کے بعد میرے لئے اِعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

ساحر صاحب ضرورت سے زیادہ بے باکی کی حد تک صاف گو ہیں جو محسوس کرتے ہیں۔ اُس کے اِظہار کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ کئی بار میرے روکنے کے باوجود وہ اِس عادت کو ترک نہیں کرسکے۔ میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شروع ہی سے وہ حکمرانی کرتے آئے ہیں۔ اور یہ حکمرانی ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلی آرہی ہے۔ اس کے جراثیم

ان کے خون میں جڑ پکڑ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی وہ تحکمانہ
انداز میں آجاتے ہیں تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں
سوچتے کہ یہ بات کس ڈھنگ سے کہنی چاہیئے۔ کہنی بھی چاہئے کہ
نہیں لیکن اس کے باوجود دل کے برے نہیں۔ چناں چہ ان
کا یہ شعر اس عادت کی مناسب ترین تاویل ہے ؎

دل کی فطرت ہے کہ کچھ کہہ سن کے ہو جاتا ہے صاف
ورنہ میرا مدعا ان کی شکایت کا نہ تھا

ان میں ایک اور خاص نقص میں نے یہ بھی پایا ہے۔ کہ
وہ ہر ملنے والے کو اچھا آدمی سمجھ لیتے ہیں۔ پہلی ملاقات ہی میں
رائے قائم کر لیتے ہیں۔ جب تجربے کے بعد ایسے دوست ان
کے اپنے معیار پر پورے نہیں اترتے اور میں ان کو اس غلطی کا
احساس کرواتا ہوں۔ تو وہ اپنی غلطی محسوس کر لیتے ہیں۔ مگر
تان اس فقرے پر ٹوٹتی ہے کہ "میں اپنی طبیعت کو نہیں
بدل سکتا۔" یہی وجہ ہے کہ یہ غلطی ان سے بار بار ہوتی ہے۔

"مرض لاعلاج ہو چکا ہے"۔ یہ سمجھ کر میں نے بھی اس سلسلے میں
کچھ کہنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔
وہ جب کبھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ اس کی تکمیل میں
غیر معمولی عجلت سے کام لیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ
کسی بات کا فیصلہ کبھی جلد نہیں کر پاتے۔ فیصلہ کرنے میں
غیر معمولی تاخیر کی کسر وہ اس کی تکمیل میں غیر معمولی تعجیل سے
پوری کر دیتے ہیں۔ پوچھا جائے تو ہمیشہ یہی سنا جاتا ہے۔ کہ
"فیصلے میں دیر ہو سکتی ہے مگر تکمیل میں نہیں"۔ فرائضِ منصبی
کی خوش اسلوب ادائیگی میں نمایاں کامیابی کا سب سے
بڑا راز یہی ہے۔

ان کا اپنا موڈ ہے کہ ہر کام کو خواہ وہ کتنا ہی ضروری
کیوں نہ ہو۔ موڈ کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ
کہیں باہر جانا ہو۔ تو بس کے وقت تک گھر سے نکلنے کا موڈ نہ
بنے۔ تو بس نکل جاتی ہے۔ وہ تو کہئے کہ اس نقص کو ڈھکنے کے

لئے ان کے پاس ذاتی کار موجود ہے۔ اِس لئے کہیں بلائے
ہوئے ہوں تو پہنچ ضرور جاتے ہیں۔ مگر تاخیر کے ساتھ۔

آپ کی طبیعت کبھی شکست قبول نہیں کرتی کبھی کسی
کام میں ناکامی بھی ہوتی ہے۔ تو حوصلہ پست نہیں ہوتا۔ اِس
سلسلے میں انہیں اکثر یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ اُس کامیابی کی خوشی
کیسی۔ جس سے پہلے متواتر ناکامیوں کا سامنا نہ ہو۔ ان کا
عقیدہ ہے۔ کہ ان کی زندگی میں ہر کام بگڑ کر ہی سنورا ہے اور یہ
بات ہے بھی سولہ آنے (موجودہ سَو پیسے) درست۔ میرا آٹھ سالہ
مشاہدہ ان کے اِس قول پر گواہ ہے۔

دُھن کے پکّے اور ارادے کے مضبوط ہیں۔ جب
ملازمت میں داخل ہوئے تھے تو انڈر میٹرک تھے۔ اس کا سبب
میرے خیال میں ان کے والدِ محترم کی بے وقت موت ہی ہو سکتی
ہے محکمہ کے اِمتحانات میں کامیاب ہونے کے بعد انہوں
نے آنرز ان پنجابی ۱۹۴۵ء میں پاس کیا۔ پھر میٹرک کا اِمتحان ۱۹۴۶ء

میں پاس کیا۔ اس کے بعد موڑ بدل گیا۔ ایف۔اے کا امتحان ۱۹۴۷ء میں دینا تھا جو تقسیم وطن اور اس کی وجہ سے غیر متوقع اور ہولناک خونریزی کی نذر ہو گیا۔ چنانچہ یہ امتحان ۱۹۵۶ء میں دیا گیا۔ پھر دو سال کی خاموشی کے بعد بی۔اے انگریزی کا امتحان ۱۹۵۸ء میں دیا۔ دیگر مضامین کا امتحان ۱۹۵۹ء میں دیا۔ اس کے بعد ان کے پاس ظاہراً اور کوئی پروگرام نہ تھا۔ مگر اپنے بچّوں کے ایم۔اے کر لینے پر احساسِ کمتری نے ان کے دِل میں خلش پیدا کر دی۔ چنانچہ اِس خلش نے ۱۹۶۴ء میں ان کو ایم۔اے پارٹ اوّل کے امتحان میں بٹھا دیا۔ ان کی تعلیمی تاریخ ان کے رُجحان طبع کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

ملازمت کچھ اس طرح کی انہیں قسمت ہوئی کہ جس میں اوسط درجے کا اِنسان کچھ اور سوچنے سے قاصر رہ جاتا ہے کثرتِ اولاد (خیر سے آپ نو بچّوں کے باپ ہیں) اس پر مستزاد ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے لائحۂ عمل سے متزلزل نہیں ہونے پائے۔

جہاں سرکاری فرائض سے بہ خُوبی عُہدہ برا ہوتے رہے۔ وہاں مختلف مگر اپنی طبیعت کے موافق شعبوں پر پُوری طرح متوجہ رہے ہیں حیران تھا کہ ایک اتنا گھرا ہُوا اِنسان زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کِس طرح متوجہ رہ سکتا ہے۔ ایم اے کے اِمتحان میں شامِل ہونا اور کامیابی حاصِل کر لینا۔ اور دیگر گُوناگوں مصرُوفیتوں میں اُلجھے رہنا۔ میری نظر میں کوئی خاص اہمیت کی بات نہیں لیکن تعجب ہے تو اِس بات پر کہ وہ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود جب کبھی کسی موضوع پر توجہ دیتے ہیں تو نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔ تحصیلداری میں ہر جگہ نیا ریکارڈ قائم کیا۔ سنہ ۱۹۶۰-۶۱ء میں دو آل اِنڈیا ریکارڈ قائم کیئے۔ آپ پہلے افسر ہیں جنہیں نمایاں خدمات کا دو دفعہ گراں قدر نقد اِنعام گورنمنٹ نے دیا۔

جب ان کی توجہ اپنے طبعی رُجحان کی طرف ہوئی تو پٹیالہ کے اس پسماندہ ماحول میں جہاں سمت ۱۹۸۸ کی ہدایت جاری

تھی کسی انجمن کا قیام ناممکن تھا۔ سب سے پہلے تحصیلداروں اور نائب

تحصیلداروں کی انجمن قائم کی پیپسو کی تشکیل تک جو کچھ اس جماعت

میں ہوا۔ وہ ان کا رہین منّت ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ بطور چیئرمین ہر قسم کی

مشکلات اور اندیشوں کے باوجود اس جماعت کے حقوق کے لئے

ہر محاذ پر ڈٹ کر لڑے۔ پیپسو اور پنجاب کے ادغام کے بعد بھی یہ جنون

ان کے دماغ سے نہ جا سکا اور وہ ہر مرحلے پر پیش قدمی کرتے رہے۔

اب بھی بطور سینیئر وائس پریذیڈنٹ تحصیلدار اینڈ نائب تحصیلدار ایسوسی ایشن

پنجاب ..... ہر معاملے میں پیش پیش ہیں۔

ابتدا میں میں یہ سمجھتا تھا کہ ساحر جیسا مختلف ذمہ داریوں

کے بوجھ سے دبا ہوا انسان ادب اردو کے ڈوبتے سورج کی پرستش

نہیں کر سکتا لیکن ان کے مزاج کو سمجھنا کچھ مشکل ہے۔ ہندی اور پنجابی

سے پیار کے باوجود وہ اُردو زبان کے احیا و بقا کی کوشش کر رہے

ہیں اور یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اردو کے

لئے نسبتاً زیادہ پیار ہے۔ اب اردو کالج[1] جاری کرنے کی دھن سوار ہے

[1] یہ اُردو کالج جاری ہو چکا ہے۔

حالات ناسازگار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ یہ کالج ضرور کھولیں گے۔
اور انشاء اللہ اسے کامیاب بھی کر دکھائیں گے۔

میں حیران تھا کہ ایسی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود وہ شاعر
کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور پھر شاعر بھی اتنے پُرگو۔ شاعر ہونے کا راز تو خیر ان
کی خاندانی تاریخ سے آگہی پر بہت جلد مجھ پر کُھل گیا۔ ان کے دادا سردار
جسونت رائے دانش سنامی اور ان کے والد شری بھگونت رائے
بہار سنامی بھی عربی۔ اُردو اور فارسی کے عالمِ اجلّ تھے۔ کلیاتِ برہمن،
ان کے والدِ ماجد کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس کا وسعتِ ادب
میں جواب نہیں۔ اِس کتاب کے دیباچے کو اگر ان کی قابلیّت
کے ہزارویں حصّے کی نمائش سمجھ لیا جائے تو ان کے ادبی رُتبے
کے مقام کی کچھ آگہی ہو سکتی ہے۔ اِس تصنیف سے نہ صِرف
انہوں نے برہمن کو زندۂ جاوید کر دیا۔ بل کہ خُود بھی اُسی مقام کو
پا گئے ہیں۔ یہ تصنیف پنجاب کے ایم اے فارسی اور منشی فاضل
کے نصاب میں مدّتوں سے شامل ہے۔ اور میرے خیال میں یہ

اُس کی قدردانی کا عشرِ عشیر بھی نہیں جس کی سزاوار یہ تصنیف درحقیقت ہے۔ ان کے دادا کی ادبی قابلیت کا احاطہ کسی حد تک ان کے والد صاحب کے اس فقرے سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے سَاحر صاحب کو مخاطب کر کے کبھی کہا تھا کہ "میں اپنے والد کی ادبی قابلیّت کے سَویں حِصّہ (۱/۱۰۰) کو حاصل کر سکا ہُوں اور تم میری ادبی صلاحیت کا سواں حِصّہ (۱/۱۰۰) محفوظ رکھ سکو گے"۔ سَاحر صاحب کو اِس قول کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور مجھے اِس قول کی صداقت پر حق الیقین ہے۔ کلیاتِ برہمن کے مطالعہ کے بعد ہر کسی کے لئے میرا ہم خیال ہو جانا یقینی ہے

ان کی پُرگوئی کا راز بھی آخر ایک طویل سفر میں کُھل گیا۔ سفر میں کسی کو اخبار یا کتاب دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور کسی کو اُونگھنے کی عادت۔ انہیں شعر کہنے کی مشق ہے۔ کاغذ اور پنسل ساتھ رکھتے ہیں۔ کار کا سفر ہو تو "سودا" کے "غنچہ" قسم کا ایک آدمی بھی اکثر و بیشتر ہم راہ ہوتا ہے۔ جیسے "لاؤ میرا قلمدان" کی

جگہ "لکھو" کا حکم جاری رہتا ہے۔ سفر کے خاتمہ تک کئی غزلوں
اور نظموں کے طرح طرح کے ڈھانچے اور خاکے ان کے
سامنے دست بستہ حاضر ہوتے ہیں جنہیں بعد میں کسی دوسرے
ایسے موقع پر وردیاں پہنا کر غزلوں اور نظموں کی فوجوں کے
الگ الگ رنگا رنگ دستے کھڑے کر دئے جاتے ہیں۔ جن پر
وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ۔ قطع و برید اور اصلاح و انتخاب کی
شمشیر چلتی رہتی ہے۔

سن رسیدہ ہونے کے باوجود ان میں بچپن کی نمایاں جھلک
موجود ہے۔ کبھی کبھی مخصوص موڈ میں جو خاص صحبتوں اور ملاقاتوں
میں اکثر ان پر طاری ہو جاتا ہے۔ میں نے انہیں فی البدیہہ
مزاحیہ شاعر بھی پایا ہے۔ سنجیدہ فضاؤں کو زعفران زار بنانے میں
انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محفل
نہیں بلکہ قہقہوں کا ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔

اس سلسلے میں ان کی شاعری کی ابتدا اور ادبی کارناموں

کا ذکر کچھ غیر مناسب نہ ہوگا۔ ان کی شاعری کی ابتدا طالب علمی کے زمانے میں ہوئی جب انہوں نے دھات اور پتھر کے زمانوں پر مختصر سی قافیہ پیمائی شروع کی جو رفتہ رفتہ نظم گوئی میں مبدّل ہوتی گئی۔ چنانچہ ابتدا میں ان کی تمام تر توجّہ نظم ہی پر مرکوز رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نظموں کا مجموعہ غزلوں کے مجموعہ سے زیادہ مالدار ہے۔ نظم گوئی کی معقول مشق کے بعد غزل کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی غزلوں میں بیان کی صفائی اور مضامین کی ہمواری اور ہم آہنگی نمایاں ہے۔ سترہ اٹھارہ سال کی محنتِ شاقہ سے انہوں نے بھرتری ہری شتک، ایسی معرکۃ الآرا کتاب کا مکمّل منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے چیدہ چیدہ اشلوکوں کا اردو نظم میں ترجمہ بعض مشاہیر نے حوالہ دے کر اور بعض نے بغیر کسی حوالے کے ضرور کیا ہے۔ مگر کسی ایک نے بھی مکمّل کتاب کے منظوم ترجمہ کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ساحر صاحب پہلے اردو شاعر ہیں جنہوں نے یہ ہمّت کی ہے۔ اس لحاظ سے بے شک وشبہ

یہ تالیف اُردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہے جو ساحر صاحب کا مرہونِ ہمّت ہے۔ جسے پنجاب گورنمنٹ نے پچھلے سال 'پہلے انعام' سے سرفراز کیا ہے۔ میں ان کے مجموعۂ کلام اور بھرتری ہری شتک' کے مکمّل منظوم ترجمے کو بغور پڑھنے کا گنہگار ہوں۔ وہ اشعار اب تک میرے ذہن میں ہیں جنہیں میں نظرِثانی کا محتاج سمجھتا تھا۔ اور وہ بحث بھی یاد ہے جو اُن پر تبادلہ خیالات کے دوران میں معرضِ وجود میں آئی۔ اس سب کچھ کا مجموعی اثر یہ ہوا۔ کہ مجھے اتنا کچھ لکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اِسے ان کے مجموعۂ کلام کو بغور پڑھنے کے گناہ کی سزا سمجھ لوں تو حساب برابر ہو جاتا ہے۔ یہ انہی شعروں کا مجموعہ ہے جن پر مطالعہ کے دوران میں مَیں نے نشان لگائے تھے۔ اِس کا نام 'تیر و نشتر' چند دوستوں کی تجویز پر رکھا گیا ہے۔ حقیقتاً اس چھوٹے سے مجموعے میں نشتر بھی ہیں اور تیر بھی۔ جن میں زہر نام کو نہیں۔ بلکہ ان میں زہریلے مادہ کے اخراج کی صلاحیت ہے۔ یہ سب دِل سے نکلے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دل میں اُترنے کی قوّت ان میں بدرجۂ اُتم موجود ہے۔ فقط۔

نسیم نور محلی
۱۵-۱۱-۶۴

نیرو نشتر

مَیں وُہ ہُوں جِس کو اپنا رہنما تو یاد رہتا ہے
مگر جو راہزن ہے اُس کو اکثر بھُول جاتا ہُوں

ترے دستِ حنائی سے صراحی چھین سکتا ہوں
مگر پاسِ ادب اِس راہ میں دِیوار ہے ساقی
خرد کا بھی یہاں کوئی قدم سیدھا نہیں پڑتا
زمینِ میکدہ کیوں ایسی ناہموار ہے ساقی
بلا کا حُسن تھا مجبُور نظریں پڑ گئیں تجھ پر
ذرا سی بات پر کیوں اِس قدر تکرار ہے ساقی

جہانِ عاشقی کی یہ نرالی رِیت ہوتی ہے
یہاں جو ہار جاتا ہے اُسی کی جیت ہوتی ہے

کبھی ایسا بھی کوئی وقت آتا ہے محبّت میں
شکستِ فاش بھی ساحرؔ مکمّل جیت ہوتی ہے

ارادہ ہو جو مستحکم تو منزل مل ہی جاتی ہے
زیادہ سوچنا اچّھا نہیں گرمِ سفر ہو کر

علاجِ دردِ اُلفت ہم کریں گے زہرِ قاتل سے
ہمیں جینا نہیں احسانمندِ چارہ گر ہو کر

مرے دِل کی لگی کو خوب ساحرؔ وہ سمجھتے ہیں
کہوں کیا کِس لئے وہ بے خبر ہیں باخبر ہو کر

جو تھا مقصودِ سجدہ وہ تو میرے دل میں پنہاں تھا
عبث کرتا رہا دیر و حرم میں جبیں سائی

اسیرانِ وفا آزاد ہیں دُنیا کے جھگڑوں سے
نہ ذوقِ نیک نامی ہے نہ ان کو خوفِ رُسوائی

آمد و رفتِ نفس ہی موت کا پیغام ہے
زندگی کی صُبح گویا زندگی کی شام ہے
زندگی اِک کشمکش ہے موت اِک آرام ہے
درحقیقت وہ سزا ہے اور یہ اِنعام ہے
موت کی آغوش میں پلتی ہے ہر اِک زندگی
سربسر آغاز میں مخلوط یہ اِنجام ہے

میری چشمِ شوق سے آخر انہیں شرم آگئی
آتے آتے روئے روشن پر نقاب آہی گیا

نازِ، عِشوہ، عربدہ، شوخی، شرارت، بانکپن
سَو بلائیں لے کے اُس بُت کا شباب آ ہی گیا
سایۂ عمرِ رواں ہر گام پر ڈھلنے لگا
زندگانی کا لبِ بام آفتاب آ ہی گیا

حُسن سج دھج کے لبِ بام ہے محوِ جلوہ
کیا تماشا ہے، تماشا بھی تماشائی ہے
ایک ہم ہیں کہ نہیں اپنی بھی سُدھ بُدھ ہم کو
ایک وُہ ہیں کہ جنہیں ہوشِ خود آرائی ہے
شیخ آ دیکھ لے اس پرتوِ نورِیں کا جمال
اِک پری نور کی شیشے میں اُتر آئی ہے

میرے دِل سے یہ مُلاقات کی حسرت بھی نکال
مجھ سے مِلنے کی اگر تُو نے قسم کھائی ہے
کیوں نہ ہو چاند سے بڑھ کر ترا مُکھڑا پیارا
چاندنی چاند سے چہرے پہ سمٹ آئی ہے

زِندگی مَوت کے سائے میں ہے اِک خوابِ حسِیں
مَوت اس خوابِ حسِیں کی ہے بھیانک تصویر

زر کی میزان میں تُلتا ہے یہاں پیار بھی آج
مَیں ہُوں نادار مرے پیار کی قیمت کیا ہے
آپ زردار ہیں اور اُونچی نظر رکھتے ہیں
میری بے مایہ محبّت کی حقیقت کیا ہے

سادہ پانی بھی مئے ہوش رُبا ہوتا ہے
ہائے کیا چیز جوانی کا نشا ہوتا ہے

مَیں مُلاقات کو سمجھا تھا مداوا غم کا
آج کیوں درد مرے دِل میں سوا ہوتا ہے

کیوں پریشان ہے رکھ اُس پہ بھروسا ساحرؔ
ایک در بند ہوُا دوسرا وا ہوتا ہے

حُسن پر کوئی بھی الزام نہ آیا اَب تک
ہوگئی مُفت میں بدنام جوانی میری

دِل جو بیٹھا تو اُٹھے صُورتِ طُوفاں ارماں
اور بھی تیز ہوئی اشک فشانی میری

خاکِ تربت کو اُڑائے لئے پھرتی ہے ہوا
آج مِٹتی ہے زمانے سے نشانی میری

اِس میں شامِل ہے ترے ہجر کے غم کا سایہ
اِتنی تاریک کوئی رات کہاں تھی پہلے

زیرِ لب آہ بھی کرتے ہوئے اب ڈرتا ہوں
ایسی مجبوریٔ حالات کہاں تھی پہلے

ناز، انداز، ادا، عشوہ سبھی ہیں قاتل
تیری ہر بات میں یہ بات کہاں تھی پہلے

ہم کو یہ گلہ کوئی ہماری نہیں سُنتا
اُن کو یہ شکایت ہے کہ ہم کچھ نہیں کہتے

طوفاں کی بات ہے نہ کناروں کی بات ہے
کچھ ناخدا کے جھوٹے سہاروں کی بات ہے

کچھ ربط باہمی ہے خزاں و بہار میں
پھولوں کے ساتھ ہی خاروں کی بات ہے

غم کی کہانیوں کے ہیں عنواں نئے نئے
کچھ انقلابِ دہر کے ماروں کی بات ہے

مارا وہاں جہاں مجھے پانی نہ مل سکے
یہ دوستوں کا حال ہے یاروں کی بات ہے

تنگ آ کے شیخ اور برہمن کی جنگ سے
رندوں کی اور بادہ گساروں کی بات ہے

اُٹھتی جوانیوں کی جہاں میں کمی نہیں

کچھ بات اور ہی ہے تمہارے شباب کی

تُو ہے رحیم اور خدائی گُناہ گار

پھر روزِ حشر کیا ہے ضرورت حساب کی

ساحر ہمارا دعوئے اُلفت بجا سہی

لیکن کسے ہے تاب سوال و جواب کی

جب حُسنِ مجسّم کے چہرے سے نقاب اُٹھّی

چھلکا ہوُا نورانی اک جام نظر آیا

یہ کون سے عالم میں لکھّی ہے غزل تُونے

ہر شعر ترا ساحر الہام نظر آیا

منجدھار سے تو کشتی بچ کر نکل گئی ہے

اب دیکھنا تو یہ ہے لگتی ہے کب کنارے

کھانا ہے غم بھی ساحرؔ لازم ہے شکرِ غم بھی

دُنیائے عاشقی کے دستور ہیں نرالے

طاعت بھی یوں تو زاہد کوئی بری نہیں ہے

کچھ اور ہی مزا ہے، رندانہ زندگی کا

ہر رنگ اس جہاں کا روشن ہے مجھ پہ ساحرؔ

جامِ جہاں نما ہے، پیمانہ زندگی کا

کہیں دِل ترستے ہیں صرف اک نظر کو

کہیں بزمِ ساقی میں جام آ رہا ہے

جو طائر کبھی دام میں آ نہ سکتا

گرو شکر وہ زیرِ دام آ رہا ہے

خدا بھی ہے تیرا، خدائی بھی تیری

ترے بس میں سارا نظام آ رہا ہے

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

ظفر کا پھریرا اُڑاتا چلا چل

جہاں بات تیری ہنسی کی چھڑی ہے

چمن میں وہیں ہر کلی کِھل گئی ہے

سہی ہے وہ میں نے نہایت خوشی سے

مرے دِل پہ افتاد جو بھی پڑی ہے

جہنّم بھی جنّت بھی، حُوریں بھی مے بھی
کہیں کچھ نہیں ہے یہ سب کچھ نہیں ہے
یہ گلشن یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ موسم
اگر تم جُدا ہو تو کچھ بھی نہیں ہے
ہمارے لبوں پر ہے اِقرارِ اُلفت
مگر اُن کے لب پر نہیں ہی نہیں ہے

کِھلے کِھل کے مُرجھا گئے ایک شب میں
گُلوں کو مِلی تھی یہ کیا زِندگانی
وہ ساحر میں پہلا سا دم خم کہاں ہے
بُڑھاپا بُڑھاپا، جوانی جوانی

بہاروں پر بھی سایہ ہے خزاں کا
یہ کیسا رنگ ہے باغِ جہاں کا
سناں چھوڑو نظر اوپر اُٹھاؤ
نظر بھی کام کرتی ہے سناں کا

کون سا چاند آج ڈوب گیا
بزمِ انجم میں کس کا ماتم ہے
ہے دکھاوے کا کھیل ہمدردی
کون مُونس ہے کون ہمدم ہے
اُن کے دِل میں ہے برہمی اب بھی
زُلفِ دوراں میں آج بھی خم ہے

غم کا انجام ہے خوشی ساحر
میری راحت بھی حاصلِ غم ہے

بادشاہوں کے سر بھی جُھکتے ہیں
آج ایسے فقیر آئے ہیں
کھول دے آج در محبّت کا
دیکھ تیرے اسیر آئے ہیں

موت کا دم بہت ضروری ہے
ورنہ جینا عذاب ہو جائے
دیکھ لو تم جو مست نظروں سے
خون میرا شراب ہو جائے

دِل نے سوچی تو ہے نئی تدبیر
ہاں! اگر کامیاب ہو جائے
آج میرا سوال اے ساحر
کاش اُن کا جواب ہو جائے

ایک آنکھوں پہ منحصر کیا ہے
تُو سراپا شراب ہے ساقی
لُطف مِلتا ہے اِک نیا ہر بار
عِشق کی وہ کتاب ہے ساقی

دِل کی باتیں زباں پہ لا سکتے
کاش ہم کو یہ حوصلہ ہوتا

جو نہ کہنا تھا کہہ گیا کوئی،
کچھ تو ہم نے بھی کہہ لیا ہوتا

میرے شعروں سے مے برستی ہے
ان کی نظروں سے جام پیتا ہوں
عین ایماں ہے مے کشی میری
لے کے اللہ کا نام پیتا ہوں

آج ساقی کی مست نظروں نے
لاج رکھ لی شراب خانے کی
دل شکستہ ہوئے ہیں دیکھ کے ہم
چال بگڑی ہوئی زمانے کی

آدمی کا ہے آدمی دُشمن
دَورِ حاضر کی دوستی کیا ہے
نیک ہونا گُناہ ہے ساؔحر
دَورِ حاضر کی افسری کیا ہے

پی گئے ہم خُدا کا لے کر نام
شیخ کہتا رہا حرام حرام

ایسے بھی کچھ مقام آتے ہیں
جب خوشی کی خوشی نہیں ہوتی
تیرگی کے بغیر اے ساؔحر
روشنی روشنی نہیں ہوتی

لے مری مجھ کو جوانی میری
مختصر سی ہے کہانی میری
عشق فانی تو نہیں ہے میرا
زندگی لاکھ ہو فانی میری

کام کوئی وقت پر آتا نہیں
آج کل احباب ہیں سب نام کے

میرے پہلو میں ہے چاند
کیا سہانی رات ہے
ہم بھی ساحر تھے جواں
یہ تو کل کی بات ہے

قطعات

بے ذوقیٔ زمانہ

لوگ مے کو خراب کہتے ہیں
اس کو جی کا عذاب کہتے ہیں

جو ہیں بے ذوق اس زمانے میں
سوم رس کو شراب کہتے ہیں

دوگونہ عذاب

غمِ دُنیا ہی کم نہ تھا ساحر
فکرِ روزِ حساب نے مارا
فکرِ عقبےٰ کشا کشِ ہستی
اِس دوگونہ عذاب نے مارا

بلانوشی

ہماری اِس بلانوشی پہ کیوں ہے اعتراض اتنا
عبث نامہرباں ہے تو عبث ناشاد ہے ساقی
نہ ہوں گے ہم تو پھر یہ خم کے خم کس کام آئیں گے
ہمارے دم قدم سے میکدہ آباد ہے ساقی

شرابِ بے وفائی

جہاں میں کون اے ساحرؔ کسی کے کام آتا ہے
جو آتا بھی ہے کوئی تو برائے نام آتا ہے
شرابِ بے وفائی عام ملتی ہے زمانے میں
بڑی مشکل سے حصّے میں وفا کا جام آتا ہے

ہوائے زمانہ

سادہ کم آئے نظر چور زیادہ دیکھے
صاحبِ ہوش بھی آلودۂ دنیا دیکھے
کیسی بدلی ہے زمانے کی ہوا اے ساحرؔ
پھول مرجھائے سے کانٹے سبھی تازہ دیکھے

بُرا وقت

دِل زمانے کی روش دیکھ کے گھبرایا ہے
جو بھی ہے نیک بہر طور وُہ تنگ آیا ہے
نہ شرافت، نہ دیانت، نہ وفا ہے باقی
حیف صد حیف یہ کیا وقت بُرا آیا ہے

شرطِ اوّلیں

مَیں ایفی شئینسی، آنسٹی ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا
اسی پر جان کی بازی لگا دی ہم نشیں مَیں نے
بہت نقصاں رساں نکلی کیا جب تجربہ اس کا
جو سروس کے لئے سمجھی تھی شرطِ اوّلیں مَیں نے

بول بالا

دَورِ موجودہ میں ہیں نایاب اچھّے آدمی
چَین سے دُنیا میں دِن کیونکر گزارے آدمی
بول ہے جھُوٹوں کا بالا کارگاہِ دہر میں
موردِ الزام ہو جاتے ہیں سچّے آدمی

نیک و بد

مے ہے اچھّی، بُری نہیں ہوتی
اِس کی مستی، بُری نہیں ہوتی
جب بُرا ہو نہ خُود بشر ساحرؔ
کوئی شے بھی، بُری نہیں ہوتی

صُحبتِ بد

لوگ کہتے ہیں کہ مے باعثِ بدنامی ہے
منزلِ زیست میں یہ مُوجبِ ناکامی ہے
درحقیقت یہ ہوئی صحبتِ بد سے بدنام
جو بھی بدنام ہوا اُس میں کوئی خامی ہے

ترنّم

شاعری کا آج کل فقدان ہے
شاعری کچھ روز کی مہمان ہے
کون سُنتا ہے ترنّم کے بغیر
آج گانا شاعری کی جان ہے

سہارے

فِطرت کے دِلفریب نظارے کہاں نہیں
رنگین و جاں نواز اِشارے کہاں نہیں
یہ اُور بات ہے کہ نہ پائے انہیں کوئی
تسکینِ قلب و جاں کے سہارے کہاں نہیں

حسرت

فائدہ کیا ہے اگر دولت بڑھی
اُور بھی اِنسان کی حسرت بڑھی
حرصِ دِل گھٹتی کبھی دیکھی نہیں
یہ وہ شے ہے جو بہر صُورت بڑھی

وقتِ غنیمت

صِرف اے پیرِ مُغاں یہ ہے تمنّا میری
آج پھر پی کے مجھے خُوب بہک لینے دے
پھر کہاں ہوگا یہ مے خانہ کہاں میں ہوں گا
اِس فلک پر مجھے کچھ اور چمک لینے دے

بے خبری

اے خُدا ضبطِ غمِ عِشق کا یارا دے دے
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا دے دے
مَیں ہُوں مدہوش سراسر نہیں اپنی بھی خبر
تیری رحمت ہی مجھے کوئی اِشارا دے دے

ہوش و مستی

اَور ہوں گے کوئی جو پی کے بہک جاتے ہیں
خُوب پی لیتے ہیں تو ہوش میں ہم آتے ہیں
حضرتِ شیخ ہیں خود عقل و خرد سے خالی
یہ خبر اُن کو نہیں ہم کِسے سمجھاتے ہیں

عظمتِ حیات

جس قدر زور سے پھینکی گئی اُونچی اُٹھی
گیند بن جاؤ مصائب میں اُبھرنا سیکھو
شیر بن کر رہو دُنیا میں اگر جینا ہے
اور مرنا ہے تو پروانے سے مرنا سیکھو

وُہ اِنسان

اپنے غم کو جو بُھلاتے تھے وُہ اِنساں اُور تھے

دوسروں کا غم جو کھاتے تھے وُہ اِنساں اُور تھے

باعثِ افسُردگی ہے آج کل کی دوستی

جو کلی دِل کی کِھلاتے تھے وُہ اِنساں اُور تھے

رِشوت

دیکھئے دَورِ ترقی میں دیانت کا یہ حال

کچُھ رقم داخل بھی کرنی ہو تو رِشوت چاہیئے

اُور اگر سرکار سے لینا ہو کچھ تو سوچئے

اس کے لینے کے لئے پھر کتنی دولت چاہیئے

فقدانِ محبّت

اِس حیاتِ چند روزہ کا سہارا کون ہے
کون ہے ہمدرد اپنا اور پیارا کون ہے
یہ چمن یہ پھول یہ بُلبل یہ نغمہ یہ بہار
آپ ہی فرمائیے اِن میں ہمارا کون ہے

فریبِ نظر

یہ گُلستاں اور یہ رنگیں فضا کچھ بھی نہیں
یہ محبّت کی ادائے دِل رُبا کچھ بھی نہیں
یہ بہاریں یہ فضائیں اور یہ رنگینیاں
اِک فریبِ وقت ہے اس کے سِوا کچھ بھی نہیں

جوانی

خیالوں کے سمندر میں بڑے طوفان اُٹھتے ہیں
جوانی جس کو کہتے ہیں قیامت خیز ہوتی ہے
کسی منزل پہ رُکتے ہی نہیں اس کے قدم ساحر
سمندِ شوق کی رفتار کتنی تیز ہوتی ہے

جانِ تمنّا

جان تم پر نثار کرتا ہوں
تم کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی
اَب تو آ جاؤ زندگی بن کر
زندگی یوں بسر نہیں ہوتی

جلوۂ حُسن

کِس دِن مرا دل درد سے ہوتا نہیں بیتاب
کِس رات طبیعت مری غمگیں نہیں ہوتی
جب تک نظر آئے نہ ترے حُسن کا جلوہ
دِل کو کِسی عالم میں بھی تسکیں نہیں ہوتی

اِنعامِ مہرِ وفا

ہر بھلائی کا مِلا مجھ کو بُرائی میں جواب
کیا یہی اِنصاف ہے مَولا تری درگاہ کا
سرنگوں بیٹھا ہُوا ہُوں جیسے مجرم ہو کوئی
کیا یہی اِنعام ہے مہر و وفا کا چاہ کا

اوجِ مقدّر

جب مقدّر اوج پر تھا خار بھی بنتے تھے پھول
خاک کی چٹکی بھی ہو جاتی تھی رشکِ کیمیا!
خار ہو جاتے ہیں گُل بھی جب مقدّر ہو خراب
خاک ہو جاتا ہے سونا بھی جہاں اس کو چھُوا

دامانِ آرزو

پھیلا ہُوا ہے کِس لئے دامانِ آرزو
ہونا پڑے گا ہم کو پشیمانِ آرزو
ہے حرص چیز وُہ کہ نہیں جس کی اِنتہا
کچھ بھی نہیں زمانے میں درمانِ آرزو

اُمید کی کرن

کرن اُمید کی رکھتی ہے روشن بزمِ ہستی کو
بڑھاتی ہے یہی کیفِ سرور و لُطفِ مستی کو
جو یہ بے نُور ہو جائے تو پھر تاریک ہے دُنیا
یہی رکھتی ہے رخشندہ جمالِ رُوئے ہستی کو

زمانے کا چلن

بے خبر آج خبردار بنے بیٹھے ہیں
جو تھے نادار وہ زردار بنے بیٹھے ہیں
کیا انوکھا ہے زمانے کا چلن اے ساحرؔ
قابلِ دار بھی سردار بنے بیٹھے ہیں

منزلِ نفس

جن شہنشاہوں نے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا

جن فرشتوں کو کوئی طاقت نہ بس میں کر سکی

وہ رِشی جن کی نظر میں ساری دُنیا ہیچ تھی

اُن کی نیّت نفس کی منزل میں ٹھوکر کھا گئی

بچپن

عہدِ طفلی دَور تھا بے فکریوں کا عیش کا

قلب صافی خدشۂ سُود و زیاں سے دُور تھا

پاک تھا معصُوم تھا ٹیں چاند تاروں کی طرح

ایک عالم سرخوشی کا ظاہر و مستوُر تھا

بشر

کامیابی ہیں تو اِتراتا ہے اپنی عقل پر
اور ناکامی ہوئی تو تھوپ دی قسمت کے سر
خود ہی کرتا ہے فغاں یہ خود ہی کھاتا ہے فریب
حل ہوا اب تک نہ جو ایسا معمّہ ہے بشر

اُلٹا چکّر

نیک بدنام ہوئے، چور بنے ہیں رہبر
ہائے افسوس یہ ماحول کا اُلٹا چکّر
ہر بد اطوار کا ہوتا ہے شریفوں میں شمار
لُٹتی دیکھی ہے سرِ راہ شرافت اکثر

بڑا جُرم

کام نیکی کا کرُوں اُور بُرائی ہی ملے
کون سی چوتھ کا یہ چاند ہے دکھائیں نے
آج ہے سب سے بڑا جُرم دیانتداری
خُوب دیکھی ہے کفِ وقت کی ریکھائیں نے

آہِ مظلُوم

مری فِطرت گنہ پر کیوں مجھے مجبور کرتی ہے
ہوا و حرص کیوں منزل سے مجھ کو دُور کرتی ہے
بچو مظلوم کی آہوں سے جب یہ لب پہ آتی ہیں
اجابت ہاتھ پھیلا کر انہیں منظُور کرتی ہے

روشن حقیقت

کِس لئے ہے اہلِ ثروت سے کرم کی آرزُو
کاغذی پھُولوں میں بھی ساحرؔ کہیں ہوتی ہے بُو
ہے دُکاں اُونچی مگر پکوان پھیکا ہے یہاں
ہائے اِس روشن حقیقت سے بھی ناواقف ہے تُو

غمِ دَوراں

رنج پر رنج مِلا نام کو راحت نہ مِلی
زندگی بھر ہمیں تسکین و مسرّت نہ مِلی
غمِ دُوری، غمِ دَوراں تو مِلے اے ساحرؔ
پیار کا لُطف تو اِخلاص کی لذّت نہ مِلی

مطلب پرستی

رنگ بگڑا ہُوا مخلوقِ خُدا کا دیکھا
غیر تو غیر تھے اپنوں کو نہ اپنا دیکھا
ایک بھی آنکھ میں دیکھی نہ مروّت ہم نے
جس کو دیکھا اُسے مطلب ہی کا بندا دیکھا

ابلیس و اِنسان

دِل میں ہے خیال اَور زُباں پر ہے سخن اور
اِس دَور کا اِنسان بھی ابلیس نُما ہَے
کہتا ہے وُہ کُچھ اور تو کرتا ہے وُہ کچھ اَور
اِس دَور کے امرت میں بھی کُچھ زہر مِلا ہَے

اِشارۂ رحمت

تیرے الطاف میں رحمت کا اِشارا پایا
تیرے اشفاق میں جینے کا سہارا پایا
تیری رحمت کے سمندر کا عجب عالم ہے
اِس میں جو ڈوب گیا اُس نے کنارا پایا

تلخیاں

اے دلِ ناداں محبّت کا ترانہ بھول جا
وہ خُوشی کے دِن وُہ راحت کا زمانہ بھُول جا
اَب کہاں باقی ہے دُنیا میں خلوصِ باہمی
دَورِ ماضی کی محبّت کا فسانہ بھُول جا

کاٹھ کی ہانڈی

مطلب کی محبّت کا قرینہ نہیں اچھّا
بال آیا ہو جس میں وہ نگینہ نہیں اچھّا
چڑھتی ہے فقط کاٹھ کی ہانڈی اِک بار
دُنیا میں ترقّی کا یہ زینہ نہیں اچھّا

ناممکنات

اُن کے دِل میں میری اُلفت ہو غلط بالکل غلط
غیر سے اُن کو عداوت ہو غلط بالکل غلط
مَیں بدل سکتا ہُوں لیکن وُہ بدل سکتے نہیں
حال پر میرے عنایت ہو غلط بالکل غلط

تمہیدِ نشاط

کِس لئے رنج و مصیبت سے تو گھبراتا ہے
حَوصلہ ہو تو بُرا وقت گُزر جاتا ہے
ہر الم ہوتا ہے تمہیدِ نشاط اَے ساحرؔ
سختیاں جھیل کے اِنسان خوشی پاتا ہے

بے خبری

کیوں پریشان ہیں بدلے ہوئے حالات سے ہم
بے خبر ہو گئے کیوں اپنے کمالات سے ہم
جو بھی ہوتا ہے بھلائی کا وہ ہوتا ہے پیام
کیوں ہیں بے چین مصیبت کے خیالات سے ہم

اِنسان وسگ

اپنے فرضِ منصبی کو جاننا بھی عَیب ہَے
آج کل اپنی خطا کو ماننا بھی عَیب ہَے
تین نسلیں دیکھتے ہیں سب سگِ ناپاک کی
آدمی کی نسل کو پہچاننا بھی عَیب ہَے

نوحۂ اِنسانیت

دورِ حاضر کی محبّت دیکھ لی
دوستی پر بھی رفاقت دیکھ لی
رو رہی ہے آج کل اِنسانیت
آدمی کی آدمیّت دیکھ لی

دوست نُما دشمن

اے خُدا مجھ بچا دوست نُما دشمن سے
نام لے لے کے مروّت کا دغا دیتا ہے
رام رام اس کے ہے مُنہ میں تو بغل میں ہے چھُری
ہر طرف مکر کا اِک جال بچھا دیتا ہے

زینۂ رِفعت

اِس زمانے میں محبّت کا قرینا اَور ہے
بزمِ اُلفت میں شرابِ عیش پینا اَور ہے
تم بہت معصُوم ہو سا حر خبر تم کو نہیں
بامِ رِفعت تک پہنچنے کا تو زینا اَور ہے

یارانِ طریقت

زمانے میں سبھی یوں تو وفا کے گیت گاتے ہیں
بہت اُلفت جتاتے ہیں بہت باتیں بناتے ہیں
بھروسہ کوئی مُنہ دیکھے کی اُلفت کا نہیں ساحرؔ
یہ یارانِ طریقت کب کسی کے کام آتے ہیں

نباہ

رات دِن آہ آہ کرتا ہُوں
زندگی کو تباہ کرتا ہُوں
درد ہو غم ہو بے قراری ہو
ہر کسی سے نباہ کرتا ہُوں

زر

زر سے بڑھ کر کوئی بھی اب شے نہیں
زر ہے بڑھ کر دین سے ایمان سے
آج کے اِنسان کی پستی کچھ نہ پُوچھ
بڑھ گیا اِنسان اب شیطان سے

ساقی

معجزہ ایسا کوئی خاص دکھا دے ساقی
دِل مدہوش کو ہُشیار بنا دے ساقی
جام و مِینا سے تو پیتا ہی رہا ہُوں اَب تک
اپنی آنکھوں سے مجھے آج پِلا دے ساقی

گزرا شباب

آج اچھی شراب دے ساقی
خوب دے بے حساب دے ساقی
ہر مرض کا علاج ممکن ہے
میرا گزرا شباب دے ساقی

مرد

اہل دل کب غم و آفات سے گھبراتے ہیں
بحر آلام سے ہنس ہنس کے گزر جاتے ہیں
جو مصیبت میں پریشان ہوں نامرد ہیں وہ
مرد وہ ہیں جو بلاؤں میں سکوں پاتے ہیں

بُرا وقت

جب بُرا وقت کسی شخص پر آجاتا ہے

اپنا سایہ اُسے آسیب نظر آتا ہے

سارا ماحول ہی بن جاتا ہے آزار رساں

بختِ بد اُس کا بالآخر اُسے کھاجاتا ہے

ماحول

شاعری وِرثے میں پائی تھی مگر ساحرؔ مجھے

وہ بلا ماحول شوقِ شعر دب کر رہ گیا

دِل میں جذباتِ حسیں کا اِک بڑا طوفان تھا

اِس پہ بھی جو بات کہنی تھی نہ اکثر کہہ سکا

وُہ اِنسان

وُہ پیار وُہ خلوص نہ جانے کدھر گیا
دُنیا بھی اَب تو رہنے کے قابل نہیں رہی
پاسِ زباں تھا جِن کو وہ اِنساں چلے گئے
وہ کیا گئے کہ دہر سے نیکی چلی گئی

دیر ہے اندھیر نہیں

دانا ہے تو اُس دام کے نزدیک نہ جانا
ہر چند کہ آغاز گُناہوں کا حسیں ہے
نیکی سے دیانت سے نہ مُنہ موڑنا ساحرؔ
اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے